© rasailojaraid.com

اُجالے میں نوجوانوں میں حقوقِ حیات کا احساس تو بڑھ رہا ہے لیکن فرض کی ادائیگی کا احساس اسی قدر کم ہوتا جا رہا ہے۔ چاند کو تو ہم نے مسخر کر لیا ہے لیکن خود اپنے اوپر ہمارے اختیار کی باگ ڈور ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ یہ ہے المیہ اس عظیم مشینی تہذیب کا جسے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی نے جنم دیا ہے اور جس کے مہلک اثرات اب ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔"

آخر میں یہ بھی عرض کر دیں کہ کتاب کی پروف ریڈنگ کی طرف ناشر نے غالباً توجہ مبذول نہیں کی۔ سرورق پر خود کتاب کا نام بھی صحیح نہیں لکھا گیا۔ اسلامی فلسفہ اِخلاق غلط ہے۔ لفظ فلسفہ، س کے زیر نہیں، زبر کے ساتھ ہے۔ پھر لفظ اِخلاق' الف کے زیر سے نہیں، اَخلاق' الف کے زبر سے ہے۔ صفحہ ۶۷ پر" مرجعیوں" لکھا گیا ہے۔ مصنف کی مراد "مرجئہ" ہے۔ اسی طرح واصل بن عطا کے بارے میں امام حسن بصری کا قول "اعتزل انا" ٹائپ ہوگیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ لفظ "اعتزل عنا" ہے۔ اسی طرح معتزلیوں، جبریوں، مرجیوں، قدریوں کے بجائے معتزلہ جبریہ مرجئہ، قدریہ لکھنا زیادہ صحیح ہے۔

بہر حال کتابت اور پروف ریڈنگ کی غلطیوں کو چھوڑ کر مجموعی اعتبار سے کتاب قابلِ مطالعہ اور معلومات افزا ہے اور جو موادِ علمی اس میں دیا گیا ہے وہ قدیم و جدید کا حسین امتزاج ہے۔ ہم اپنے قارئینِ کرام سے درخواست کریں گے کہ وہ کتاب کو اپنے مطالعہ میں لائیں اور اس کے مندرجات سے مستفید ہوں۔

(م - ا - ب)

اقبال کا علمِ کلام

مصنف: پروفیسر علی عباس جلال پوری

ناشر: مکتبہ فنون - ۷۴ انار کلی - لاہور

صفحات: ۲۷۸ - سائز: $\frac{۲۲\times۱۸}{۸}$ - قیمت: بارہ روپے

اچھی کتابت، بہتر طباعت، عمدہ کاغذ، خوب صورت جلد، دیدہ زیب سرورق۔

پروفیسر علی عباس جلال پوری علمی دنیا کی معروف شخصیت ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف! ان کی زیرِ نظر تصنیف علامہ اقبال کے علم کلام سے متعلق ہے اور جیسا کہ انھوں نے خود ہی وضاحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے یہ دراصل ان کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک (لاہور کے مشہور جریدہ) سہ ماہی "ادبی دنیا" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

مصنفِ شہیر نے اس کتاب میں اقبال کے بارے میں متعدد امور کی وضاحت کی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اقبال نے بھی ابوالحسن اشعری، غزالی، اور رازی وغیرہ متکلمین اسلام کی طرح مذہب کی اپنے عصر کے نئے نئے علمی انکشافات سے مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کے پہلے باب میں انھوں نے اس سلسلے کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ دوسرے باب میں علم کلام کے تاریخی اور فکری پس منظر کی وضاحت کی ہے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں اقبال کے فلسفۂ الٰہیات سے بحث کی ہے۔ اس کے بعد ان کے فلسفۂ وجدانیت اور رومانیت کا جائزہ لیا گیا ہے پھر اقبال کی تاویلات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کے علم کلام کے دائرۂ اثرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں ان فلسفیانہ تحریکات اور اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے، جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کتاب کے مطالب و مشمولات سے تعلق پایا جاتا ہے۔ کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

"لفظ فلسفہ یونانی الاصل ہے۔ اور سوفیا (دانش) اور فیلوس (محبت) سے مرکب ہے۔ اس کا معنی ہے "دانش کی محبت" یہ ترکیب فیثاغورس نے وضع کی تھی۔ شروع شروع میں فلسفی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا تھا جو صاحب بصیرت اور خردمند ہو۔ بعد میں جب اہلِ دانش نے اپنے افکار و آرا کو عقلی استدلال کے رنگ میں پیش کرنا شروع کیا تو مدلل علم کو فلسفہ کہنے لگے۔ افلاطون اور اس کے پیروؤں نے یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔"

کتاب کا دامنِ معلومات بڑا وسیع ہے اور اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ لائق مصنف نے اس کی تالیف و تصنیف میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ یہ موضوع اپنے اندر جہاں کچھ مشکلات رکھتا ہے وہاں نہایت دلچسپ بھی ہے۔ اس سے ذہن و فکر کو نئی غذا مہیا ہوتی ہے، غور و فکر کے زاویے بڑھتے ہیں، سوچ بچار میں جلا پیدا ہوتی ہے اور علم و ادراک کی نئی منزلیں سامنے آتی ہیں۔ سائنس اور علم کلام کی ہر دور میں ضرورت ہے نئے معاشرے کے مسائل کی گرہ کشائی میں اس سے مدد ملتی ہے اور فکرِ انسانی میں اس سے سلجھاؤ اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ ہم اپنے قابلِ احترام قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ اس کتاب سے استفادہ کریں۔

(م - ا - ب)

© rasailojaraid.com